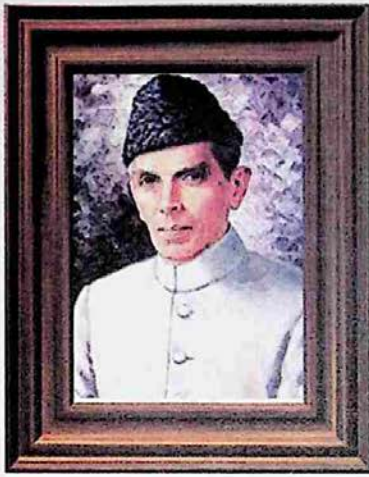




”تعلیم پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ تعلیمی میدان میں مطلوبہ پیش رفت کے بغیر ہم نہ صرف اقوام عالم سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا نام و نشان ہی صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔“

قائد اعظم محمد علی جناح، بانی پاکستان
(26 ستمبر 1947ء - کراچی)

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد

تو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان

مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام قوتِ اخوتِ عوام

قوم، ملک، سلطنت پایندہ تابندہ باد

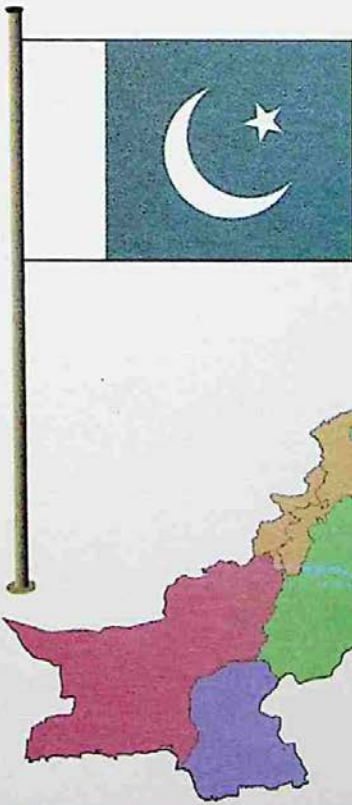
شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ ستارہ و ہلال رہبرِ ترقی و کمال

ترجمانِ ماضی، شانِ حال جانِ استقبال

سایہٴ خدائے ذوالجلال

4826



Sr. No: 12345678
Code: B6782A3

جعلی کتب کی روک تھام کے لیے پنجاب کریمولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور کی درسی کتب کے سرورق پر مستطیل شکل میں ایک ”خفاتی نشان“ چپا کیا گیا ہے۔ ترجمہ کر کے دیکھنے پر اس نشان میں موجود مونو گرام کا نارنجی رنگ، ہزرنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مونو گرام کے نیچے موجود سفید جگہ کو سٹک سے ٹکڑے کر کے ”PCTB“ لکھا ظاہر ہوتا ہے۔ تصدیق کے لیے ”خفاتی نشان“ پر دیے گئے کوڈ کو ”8070“ پر ”PCTB(Space)Code No.“ لکھ کر SMS کریں اور ادائیگی سکیم میں شامل ہوں۔ اگر SMS کے جواب میں ”خفاتی نشان“ پر درج سیریل نمبر موصول ہو تو کتاب اصلی ہے۔ درسی کتب خریدتے وقت یہ ”خفاتی نشان“ ضرور دیکھیں۔ اگر کسی کتاب پر یہ نشان موجود نہ ہو یا اس میں رد و بدل کیا گیا ہو تو ایسی کتاب ہرگز نہ خریدیں۔

مَرَقِعِ ادَب

(اُردو اختیاری)

گیارہویں جماعت کے لیے



پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔
 منظور کردہ قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد۔
 اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیٹ پیپر، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا
 امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

☆ پروفیسر زریں حبیب مرزا

مؤلفین

☆ مسز سعیدہ خالد

☆ پروفیسر فقیر احمد فیصل

☆ پروفیسر حفیظ صدیقی

مدیر

نگران

☆ ملک جمیل الرحمن (سینئر ماہر مضمون اُردو)

☆ عائشہ وحید

آرٹسٹ

مطبع: الرحیم آرٹ پریس، لاہور

ناشر: عطیہ پبلشنگ ہاؤس لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
مئی 2018ء	اول	نہم	6,000	61.00

فہرست

حصہ نثر

نمبر شمار	سبق	مصنف	صفحہ نمبر
1	اردو نثر پر ایک نظر	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (اغذواضافہ)	1
2	قصہ خواجہ برگ پرست کا	میر امن دہلوی	6
3	فسانہ سلطان یمن	رجب علی بیگ سرور	11
4	امراؤ جان ادا	مرزا ہادی رسوا	16
5	خدا کی بستی	شوکت صدیقی	21
6	آنگن	خدیجہ مستور	26
7	زیور کا ڈبا	منشی پریم چند	31
8	کتبہ	غلام عباس	41
9	قلعہ لاہور کا ایک ایوان	سید امتیاز علی تاج	50
10	فاصلے	میرزا ادیب	56
11	رسم و رواج	سر سید احمد خاں	66
12	شاعری کے لیے کیا شرطیں ضروری ہیں	مولانا الطاف حسین حالی	71
13	مسلمانوں کا قدیم طرز تعلیم	شبلی نعمانی	76
14	ٹیل اور میں	پطرس بخاری	82
15	منشیات کی لعنت	نصیر احمد بھٹی	87

حصہ شاعری

صفحہ نمبر	شاعر	نظم	نمبر شمار
92	ڈاکٹر ابوالیث صدیقی (اخذ و اضافہ)	اردو شاعری پر ایک نظر	1
97	مولانا ظفر علی خاں	حمد	2
101	امیر بینائی	نعت	3
105	میر انیس	شوق شہادت	4
109	نظیر اکبر آبادی	برسات کی بہاریں	5
113	علامہ محمد اقبالؒ	عقل و دل	6
113	علامہ محمد اقبالؒ	جاوید کے نام	7
114	علامہ محمد اقبالؒ	شاہین	8
114	علامہ محمد اقبالؒ	پوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ	9
116	خوشی محمد ناظر	جوگی	10
120	جوش ملیح آبادی	مناظرِ سحر	11
123	حفیظ جالندھری	درہ خیبر	12
126	ن۔م۔راشد	زندگی سے ڈرتے ہو؟	13
130	فیض احمد فیض	اقبالؒ	14
133	مجید امجد	طلوعِ فرض	15
137	اکبر الہ آبادی، احسان دانش	قطعات	16
141	مولانا الطاف حسین حالی	رباعیات	17

اردو نثر پر ایک نظر

”اردو“ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ”لشکر“ کے ہیں۔ مغلوں کے دور میں لشکر اور اس سے متعلقہ آبادی کو ”اردو“ کہا جاتا تھا۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ اردو ایک لشکری زبان ہے جو مسلمان بادشاہوں کے لشکروں یا لشکری بازار میں پیدا ہوئی۔ یہ درست نہیں۔ اس سے پہلے اردو کو مختلف زبانوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا۔ بڑے صغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے آنے کے بعد مسلمانوں اور یہاں کے باشندوں کی زبانوں کے میل جول سے جوئی زبان آہستہ آہستہ پیدا ہوئی اسے ”ہندوی“ کے نام سے پکارا گیا۔ اس کے بعد اسے ”ہندی“ کے نام سے پکارا گیا۔ اردو کا ایک قدیم نام ”ریشہ“ بھی ہے۔ میر تقی میر نے اس زبان کو پہلی دفعہ ”اردوئے معلیٰ“ قرار دیا اور مصحفی نے اسے ”اردو“ کہا۔ چنانچہ انیسویں صدی سے یہی نام رائج ہے۔

اردو زبان کے آغاز کے بارے میں کئی نظریے پیش کیے گئے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ان تمام نظریات میں ایک بات البتہ مشترک ہے کہ ان میں اردو کی ابتدا کی بنیاد بڑے صغیر پاک و ہند میں مسلمان فاتحین کی آمد پر رکھی گئی ہے اور بنیادی استدلال یہ ہے کہ اردو زبان کا آغاز مسلمان فاتحین کی ہندوستان میں آمد اور مقامی لوگوں سے میل جول اور مقامی زبانوں پر اثرات سے ہوا اور ایک نئی زبان وجود میں آئی جو بعد میں اردو کہلائی۔

اردو نثر کا پہلا باقاعدہ دور دکن کا ہے جہاں صوفیائے کرام اور بزرگان دین نے اسے عوام کی زبان کی حیثیت سے تبلیغ اور تعلیم دین کے لیے استعمال کیا۔ اس دور کے مشہور عالم خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (وفات ۱۴۲۱ء) کی تصنیف ”معراج العاشقین“ کو اردو کی پہلی نثری تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ادبی اعتبار سے دکنی دور کی سب سے مشہور تصنیف ملاوچی کی ”سب رس“ ہے جس کا سن تصنیف ۳۹-۱۶۳۸ء ہے۔ اردو کا یہ پہلا نثری قصہ ہے جس کا ایک منفرد اسلوب ہے۔

شمالی ہند میں اردو نثر نگاری کا آغاز نسبتاً بعد میں ہوا۔ دراصل یہاں پر مسلمانوں کے دور حکومت میں ایک عرصے تک فارسی تہذیبی، سرکاری اور عدالتی زبان رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اٹھارہویں صدی تک شمالی ہندوستان میں اردو کی نثر نگاری کا جو اسلوب ملتا ہے، وہ انتہائی پر تکلف ہے اور اس میں فارسی تراکیب کی کثرت ہے۔ چنانچہ عطا حسین حمصین کی ”نوطر زمرع“ (۱۷۹۸ء میں لکھی گئی) کی عبارت بھی فارسی آمیز ہے۔ شمالی ہند میں اردو نثر نگاری کا باقاعدہ آغاز کلکتہ ۱۸۰۰ء میں ”فورٹ ولیم کالج“ کے قیام سے ہوا۔ اس ادارے کا مقصد یہ تھا کہ جو انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہو کر آئیں تو انھیں اس ملک کی زبان، تاریخ، تہذیب، معاشرے اور رسم و رواج سے واقف کرانے کے لیے تعلیم و تربیت کا انتظام ہو۔ اس مقصد کے لیے ملک کے گوشے گوشے سے مصنفین جمع کیے گئے جن میں سب سے ممتاز میرامن دہلوی تھے۔ بعض ایسے انگریز بھی استاد مقرر ہوئے جو ہندوستانی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ ان میں سب سے مشہور نام جان گل کرسٹ کا ہے جو شعبہ اردو کے سربراہ تھے۔

جان گل کرسٹ کی فرمائش پر فورٹ ولیم کالج کے مصنفین نے اردو میں مختلف کتابیں لکھیں جن میں سب سے ممتاز میرامن دہلوی کی ”باغ و بہار“ ہے۔ اس کتاب کا سن تصنیف ۱۸۰۲ء ہے۔ میرامن نے اس قصے میں دلی کی با محاورہ اور روزمرہ بول چال کی سادہ زبان میں اس عہد کی تہذیب و معاشرت کا نقشہ کھینچا ہے۔ ان کے علاوہ حیدر بخش حیدری کی ”آرائش محفل“ نے بھی بہت مقبولیت حاصل کی۔ میرامن کے سادہ اسلوب نگارش کے مقابلے میں لکھنؤ کے مرزا جب علی بیگ سردر نے ۲۵-۱۸۲۳ء میں فارسی آمیز پر تکلف عبارت میں ”فسانہ عجائب“ لکھا، جو اپنے مخصوص اسلوب بیان کے باعث اہم ہے۔

۱۸۴۰ء کے آس پاس مرزا غالب جو اپنے عہد کے فارسی اور اردو کے بڑے شاعروں اور نثر نگاروں میں شمار ہوتے تھے، اردو خطوط نویسی کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے اردو میں خط لکھنے کا ایک بے تکلف انداز اختیار کیا اور بقول خود مر اس کے کو مکالمہ بنادیا۔ ”عود ہندی“، ”اردوئے معلیٰ“ اور ”مکاتیب غالب“ کے نام سے ان کے خطوط کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں جو اپنی سادہ اور رواں زبان، انوکھے اور دلچسپ انداز کے باعث آج بھی دل چسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ ان میں غالب کی زندگی اور اس زمانے کے بہت سے حالات و واقعات کو جاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ غالب کے ان خطوط سے اردو نثر میں ایک نئے اسلوب کا اضافہ ہوا۔

۱۸۵۷ء کا انقلاب برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں صرف ایک سیاسی انقلاب نہ تھا بلکہ ایک تہذیبی انقلاب تھا۔ اس سے برصغیر میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور اقتدار کے ساتھ اس تہذیب و تمدن کی برتری بھی ختم ہو گئی جسے مسلمانوں نے صدیوں کی کوششوں سے پروان چڑھایا تھا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں مسلمان دورے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ ایک طرف وہ انگریز حکمرانوں کے غیظ و غضب کا شکار تھے اور دوسری طرف ہندوؤں کے، جنھوں نے انگریزوں کی سرپرستی میں مسلمانوں کا معاشی استحصال شروع کر دیا۔ ان حالات میں برصغیر پاک و ہند میں وہ تحریک شروع ہوئی جسے تحریک سرسید یا علی گڑھ تحریک کہا جاتا ہے۔ یہ تحریک بنیادی طور پر تعلیمی و اصلاحی تحریک تھی۔ سرسید نے اپنے خیالات کے فروغ اور ابلاغ کے لیے سلیس اور سادہ اردو نثر کا استعمال کیا۔ انھوں نے ایک ادبی رسالہ ”تہذیب الاخلاق“ کے نام سے جاری کیا جس میں سرسید نے سب سے پہلے انشائیے اور مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ سرسید کے دوسرے رفقاء نے اس عمل میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ سرسید احمد خان کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو ایسے مخلص رفقاء کے کار ملے جنھوں نے ان کی ادبی تحریک کے استحکام اور فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔ مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا نذیر احمد اس حلقے کے ممتاز اراکین ہیں۔

سرسید کے رفقاء کے کار میں سے مولانا شبلی نعمانی نے اسلامی تاریخ کو ایک نئے رنگ سے لکھنا شروع کیا۔ ان کی کتابوں میں ”الفاروق“، ”المامون“ اور ”سیرت النبی“ خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ نذیر احمد نے اردو ناول نگاری کا آغاز کر کے اردو ادب میں ناول کی صنف کو متعارف کرایا۔ ”مراۃ العروس“، ”بنات العش“، ”توبۃ النصوح“ اور ”ابن الوقت“ ان کے مشہور ناول ہیں۔ ان کے ناول مقصدی ہیں اور ان کے پیش نظر اس عہد کا مسلم معاشرہ اور اس کی اصلاح ہے۔ مولانا حالی نے اپنے شعری نظریات اور خیالات کو ”مقدمہ شعر و شاعری“ کے نام سے قلم بند کیا جسے اردو میں تنقید کی اولین کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ انھوں نے ”حیات جاوید“، ”حیات سعدی“ اور ”یادگار غالب“ لکھ کر اردو میں سوانح عمریاں لکھنے کا آغاز بھی کیا۔ اسی طرح مولانا محمد حسین آزاد نے جو بیک وقت انشا پرداز، مورخ، نقاد، شاعر اور ماہر لسانیات تھے ”آب حیات“، ”نخن دان فارس“ اور ”نیرنگ خیال“ وغیرہ لکھیں جو اردو نثر میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

اردو ناول نگاری میں نذیر احمد کے ہم عصر ناول نگار پنڈت رتن ناتھ سرشار ہیں جن کا سب سے مشہور ناول ”فسانہ آزاد“ ہے۔ اگرچہ اس ناول میں کوئی منظم پلاٹ نہیں لیکن اس میں اس عہد کی لکھنؤی تہذیب اور معاشرے کی پوری تصویر موجود ہے۔ سرشار کے ہم عصر عبداللیم شرر کو اردو میں تاریخی ناول کا پہلا علم بردار کہا جاتا ہے۔ ”منصور موہنا“، ”ملک العزیز در جینا“ اور ”فردوس بریں“ ان کے مشہور تاریخی ناول ہیں۔ اس کے بعد اردو ناول نگاری میں مرزا سوا کا ناول ”امراۃ جان ادا“ بڑی اہمیت اور شہرت کا حامل ہے جو اپنی بہت فی فنی خوبیوں کے باعث اردو کے عظیم ترین ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں اس عہد کی لکھنؤی سوسائٹی کی زندگی کی بھرپور مصوری کی گئی ہے۔ تقریباً اسی زمانے میں علامہ راشد الخیری نے جنھیں ”مصور غم“ کہا جاتا ہے اپنے ناولوں میں اس روایت کو آگے بڑھایا جس کا آغاز مولوی نذیر احمد نے ”مراۃ العروس“ اور ”بنات العش“ لکھ کر کیا تھا۔ انھوں نے عورتوں کی مظلومیت کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔

اردو ناول کا دور جدید بیسویں صدی کے آغاز میں پریم چند سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے ناولوں میں ”میدانِ عمل“، ”گنودان“ اور ”بازارِ حسن“ وغیرہ مشہور ہیں۔ انھوں نے برصغیر کے دیہات اور متوسط و محنت کش طبقوں کی زندگی کو بڑی خوش اسلوبی سے اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے۔

پریم چند کے زیر اثر اور ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کے آغاز پر بہت سے اچھے ناول لکھے گئے جن میں سجاد ظہیر کا ”لندن کی ایک رات“ کرشن چندر کی ”ہلکت“ اور عصمت چغتائی کی ”ٹیزھی لکیر“ قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے عہد کا دور ناول کی مقبولیت کا دور ہے۔ رئیس احمد جعفری، رشید اختر ندوی، ایم اسلم، نسیم جازوی اور قسیمی رام پوری کے ناول بہت مشہور ہوئے۔ قرۃ العین حیدر کا ”آگ کا دریا“، عزیز احمد کا ”ایسی بلندی ایسی پستی“، شوکت صدیقی کا ”خدا کی بستی“ اور ممتاز مفتی کا ”علی پور کا بلی“ فنی لحاظ سے اہم ناول ہیں۔ ان کے علاوہ عبداللہ حسین کا ”آداس نسلیں“، جمیلہ ہاشمی کا ”تلاش بہاراں“، خدیجہ مستور کا ”آنگن“، فضل احمد کریم فضلی کا ”خون جگر ہونے تک“، انتظار حسین کا ”بستی“ اور بانو قدسیہ کا ”راجہ گدھ“ اہم ناول ہیں۔

افسانے کی صنف بھی ناول کی طرح اردو نثر میں انگریزی ادب سے آئی۔ اردو میں مختصر افسانے کا آغاز بیسویں صدی میں پریم چند کے افسانوں سے ہوا۔ پریم چند نے اپنے افسانوں میں دیہات میں رہنے والے لوگوں کے مسائل پر قلم اٹھایا اور اردو افسانے کو حقیقت نگاری کے فن سے آشنا کرایا۔ اسی دور میں سجاد حیدر بیدرم نے اپنے افسانوں کے ذریعے رومانوی افسانہ نگاری کی بنیاد رکھی۔ سجاد حیدر بیدرم کی پیروی کرنے والوں میں نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھ پوری اور حجاب امتیاز علی اہم ہیں جنہیں رومانوی افسانہ نگار کہا جاتا ہے۔

راشد الخیری اور علی عباس حسینی اہم ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک نے اردو افسانے کو بھی متاثر کیا۔ پریم چند کے افسانے ”کفن“ میں اس تحریک کے واضح اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ اردو افسانے میں ترقی پسند رجحانات کی ابتدا ۱۹۳۶ء میں ”انگارے“ کے نام سے چھپنے والے افسانوں کے مجموعے سے ہوئی جس میں سجاد ظہیر، کرشن چندر، رشید جہاں اور احمد علی وغیرہ کے افسانے تھے۔ اس تحریک کے زیر اثر افسانہ نگاروں کی ایک بڑی کمیپ نظر آتی ہے جن میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، اوچندر ناتھ اشک، عصمت چغتائی، حیات اللہ انصاری اور سعادت حسن منٹو کے نام اہم ہیں۔ ۱۹۴۷ء تک افسانے کے فن کو فروغ دینے والوں میں علی عباس حسینی، کوثر چاند پوری، اعظم کریوی، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، منٹو، عصمت چغتائی، ممتاز مفتی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، بلونت سنگھ، غلام عباس، انتظار حسین، شوکت صدیقی، محمد حسن عسکری، احمد ندیم قاسمی اور خواجہ احمد عباس کے نام اہم ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد افسانوی ادب میں اہم اضافے کرنے والوں میں غلام عباس، قدرت اللہ شہاب، اشفاق احمد، اے حید، الطاف فاطمہ، غلام الثقلین نقوی، انتظار حسین اور انور سجاد کے نام اہم ہیں۔ خالدہ اصغر، محمد نسیا، یونس جاوید، مسعود اشعر اور بہت سے دوسرے افسانہ نگار اپنے افسانوں میں بدلتی ہوئی زندگی کے مسائل کی کامیاب ترجمانی کر رہے ہیں۔

اردو زبان و ادب میں ڈرامے کی صنف بھی خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ اردو میں ڈرامے کی ابتدا اجد علی شاہ اختر کے عہد (۱۸۵۶ء-۱۸۴۷ء) میں لکھنؤ میں ہوئی اور امانت لکھنوی نے سب سے پہلا ڈراما ”اندر سجا“ لکھا۔ اس ڈرامے میں راجہ اندر کے دربار اور عیش و عشرت کی داستان بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد اردو ڈراما تھیں سے وابستہ رہا لیکن بیسویں صدی میں آغا حشر اردو ڈراما میں ایک نامور شخصیت کے طور پر ابھرے۔ انھوں نے نہ صرف فیکسپیر کے بعض ڈراموں کو اردو میں منتقل کیا بلکہ بہت سے طبع زاد ڈرامے بھی لکھے۔ حشر نے اپنے ان ہر دو قسم کے ڈراموں میں عوام کی پسند کو پیش نظر رکھا۔ وہ ڈرامے میں کوئی ایسی کشش یا پیچیدگی پیدا نہیں ہونے دیتے تھے جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہو۔ یہی وجہ تھی کہ ہر قسم کے مزاج کے لوگ ان کے ڈراموں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ آغا حشر کے بعد احمد شجاع پاشا کا ڈراما ”باپ کا گناہ“ ادبی لحاظ سے اہم ہے لیکن جو شہرت امتیاز علی تاج کے ڈرامے ”انارکلی“ کو ملی وہ کسی اور ڈرامے کو نصیب نہ ہوئی۔ اس دوران میں سینما کی آمد سے سٹیج ڈرامے کے زوال کا آغاز ہوا لیکن ریڈیو کے قیام سے ریڈیائی ڈرامے لکھنے کا رواج ہوا تو عشرت رحمانی، حجاب امتیاز علی، عابد علی، عابد، انور جلال، باقی صدیقی، میرزا ادیب، اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے ڈرامے بہت مشہور ہوئے۔ ٹیلی ویژن کے متعارف ہونے پر ڈراما نگاروں کی ایک بہت بڑی اور ذہین کمیپ سامنے آئی جن میں سلیم چشتی، اطہر شاہ خاں، یونس جاوید، احمد اسلام احمد، منوبھائی، جمیل ملک اور ریاض بیالوی کے نام اہم ہیں۔ خواتین ڈراما نگاروں میں حسینہ معین اور فاطمہ ثریا بیجا کے نام سر فہرست ہیں۔

اردو نثر میں علمی و ادبی موضوعات پر لکھنے والوں میں مولانا حالی کے جانشین مولوی عبدالحق ہیں جنہیں ”بابائے اردو“ کے لقب سے یاد کیا

جاتا ہے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر لکھ کر اردو کے نثری سرمائے میں گراں قدر اضافہ کیا۔ شبلی نعمانی سے فیض پانے والوں میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام قابل ذکر ہے جو اردو نثر میں ایک منفرد اسلوب نگارش کے موجد ہیں۔

ایک اور جدید صنف جسے اردو نثر میں بڑا فروغ نصیب ہوا طنز و مزاح ہے۔ یوں تو طنز و مزاح کی مثالیں ”اودھ پنچ“ کے دور میں بھی ملتی ہیں جو ایک انگریزی اخبار کے نمونے پر جاری کیا گیا تھا لیکن اس کے مذاق اور طنز کی سطح زیادہ بلند نہیں ہے۔ انیسویں صدی میں سب سے زبردست ادبی شخصیت غالب کی ہے جو بہت بڑے ظریف بھی تھے اور اسی بنا پر حالی نے انھیں ”حیوان ظریف“ کہا ہے۔ غالب کے خطوط میں ظرافت کی صاف ستھری اور بہت اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں۔ غالب کے بعد مزاح نگاری میں فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی اور پطرس بخاری کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد عظیم بیگ چغتائی، ملا رموزی، شوکت تھانوی، ابن انشا اور موجودہ دور کے مشتاق احمد پوسنی، کرل محمد خاں، شفیق الرحمان اور عطاء الحق قاسمی کے نام قابل ذکر ہیں۔

حالی نے ”مقدمہ شعر و شاعری“ اور شبلی نے ”موازنہ انیس و دہیر“ اور ”شعر العجم“ لکھ کر اردو نثر میں تنقیدی ادب کا باقاعدہ آغاز کیا تھا اس روایت کو آگے بڑھانے میں امداد امام اثر، عبدالرحمن بجنوری، نیاز فتح پوری، حافظ محمود شیرانی، نور الحسن ہاشمی، حامد حسن قادری، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی، محمد حسن عسکری، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور، سید وقار عظیم، ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اور ڈاکٹر سمیل احمد خاں کے نام قابل ذکر ہیں اور یوں اردو نثر ہر صنف ادب میں ترقی کی منزلوں کی جانب گامزن ہے۔

داستان

کہانی سننا اور کہنا انسان کو ہمیشہ سے مرغوب رہا ہے۔ جب انسان روزمرہ زندگی کے معمولات اور تھکا دینے والی مصروفیات کی یکسانیت سے اکتا جاتا تو وہ تفریح کی تمنا کرنے لگتا۔ اس ضرورت نے داستان گوئی کو جنم دیا۔ داستان گو طویل کہانیوں کو رات کے وقت محفل میں قسط وار سناتے، کہانی میں سے کہانی جتم لیتی اور ہر کہانی دوسری کہانی سے زنجیر کی کڑیوں کی طرح پیوست بھی ہوتی اور اپنا علیحدہ مکمل وجود بھی رکھتی تھی۔ داستان گو اپنی قوت تخیل سے واقعات کو ترتیب دے کر داستانوں کی تخلیق کرتے، ان کو دلکش، دلچسپ اور زندگی سے برتر کرداروں اور طلسماتی اور پراسرار ماحول سے سجاتے اور اپنی چرب زبانی اور زبان دانی کی مہارت سے لوگوں کو سنا کر اپنا گرویدہ بناتے۔ چنانچہ عرب کے ساحر، ایران کے قصہ گو اور برصغیر کے داستان گو بہت مشہور اور مقبول تھے۔ بلکہ قصہ گوئی ایک الگ فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ بعد میں آنے والی تمام افسانوی اصناف مثلاً ناول، افسانہ، ڈراما وغیرہ کی بنیاد داستان پر ہی ہے۔

”داستان“ قدیم صنف ادب ہے جس کے لغوی معنی قصہ، حکایت یا کہانی کے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں داستان کسی خیالی اور مثالی دنیا کی وہ کہانی ہے جو محبت، مہم جوئی اور سحر و طلسم جیسے غیر معمولی عناصر پر مشتمل اور مصنف کے آزاد اور زرخیز تخیل کی تخلیق ہو۔ داستانوں میں مافوق الفطرت اشیاء، واقعات اور مقامات کی کثرت ہوتی ہے۔ جادو کی چیزوں، جن، بھوت اور پری جیسی مخلوق کا ذکر عام ہوتا ہے۔ داستانوں کا دور چونکہ بادشاہوں اور شہزادوں کا دور تھا اس لیے ان میں مرکزی اہمیت انہی کی ہے۔ بیشتر کردار اور واقعات مثالی ہوتے ہیں جو بالآخر کسی نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں۔ گویا مافوق الفطرت عناصر، طلسماتی فضا، تخیل کی رنگ آمیزی، عشق و محبت کے واقعات، حق و باطل کا تصادم، اسرار و تحیر، طوالت اور دلچسپ زبان و بیان ایک اچھی داستان کی اہم خوبیاں ہیں۔

اردو میں میرامن کی ”باغ و بہار“، حیدر بخش حیدری کی ”آرائش محفل“، رجب علی بیگ سرور کی ”فسانہ عجائب“ اور ان شاء اللہ خان انشا کی ”رانی کیتی کی کہانی“ معروف داستانیں ہیں۔